عباسی دور کی انفرادی بنک کاری پر ایک نظر

ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب

عباسی عہد خلافت تہذیب و تمدن کے فروغ، علوم و فنون کی اشاعت اور انتظامی و اقتصادی اداروں کی توسیع و ترقی کے لیے معروف ہے۔ انفرادی بنک کاری کو ان اقتصادی اداروں میں ایک خاص مقام حاصل ہے جنھیں اس دور میں ترقی ملی، اسلامی بنکنگ کے نشوونما میں ادارۂ بیت المال کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے قطع نظر (جو ایک مستقل مضمون کا طالب ہے) انفرادی بنک کاری کی سرگرمیوں کو جن میں تاجر اور صراف کلیدی رول ادا کرتے تھے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ عباسی دور کی انفرادی بنک کاری (جس میں یہودی و عیسائی تاجروں و صرافوں کا زیادہ دخل تھا) اسلام کے اپنے بنکنگ نظام سے پورے طور پر میل نہیں کھاتی لیکن فی نفسہ بنکنگ نظام کو وسعت و ترقی دینے میں اس بنک کاری کی جو خدمات ہیں وہ اپنی جگہ پر مسلم اور لائق توجہ ہیں یہ کہنا شاید مبالغہ آرائی ہوگا کہ اس وقت انفرادی بنک کاروں نے عہد جدید کے طرز پر باقاعدہ کوئی بنکنگ نظام تشکیل دیا تھا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ معاصر حالات کی مناسبت سے وہ قریب قریب وہی امور انجام دے رہے تھے جو اس دور میں بنک یا بنکنگ اداروں کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں اس لیے ان کے دائرۂ کار کا جائزہ لینا اور ان کی بنکنگ خدمات پر روشنی ڈالنا اہمیت اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

عباسی دور کی ابتدا میں انفرادی بنک کاری کا دائرۂ عمل سکوں کی تشخیص، ان کی قیمت کی تعیین اور ان کے تبادلہ تک محدود تھا۔ مختلف النوع سکوں کے چلن اور ان کے شرح تبادلہ میں اختلاف[۱] کی وجہ سے ان لوگوں کی سرگرمیوں میں لازماً اضافہ ہوا جو سکوں کی تشخیص و تعیین اور ان کے تبادلہ کے عمل

---

[۱] E. Ashter, A Social and Economic History of the Near East in the middle ages, London 1976 PP. 83 — 86

میں مہارت رکھتے تھے۔ یہ ماہرین نقود اصلاً تجارتی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے لیے صراف، ناقد و جہبذ کی اصطلاحیں رائج تھیں۔ سکوں کی مہارت رکھنے والا یہ طبقہ خالص عباسی دور کی پیداوار نہ تھا لیکن اس دور میں انتظامی تبدیلیوں اور عوام کی ضروریات نے ان کے کاموں کو وسعت بخشی اور ان کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا۔ یہاں تک کہ سکوں کی چھان بین اور ان کے تبادلہ سے آگے بڑھ کر رقوم جمع کرنا، قرض فراہم کرنا اور ایک مقام سے دوسرے مقام نقود منتقل کرنا ان کی مصروفیات کے مختلف اجزا بن گئے۔ اس طرح اس طبقہ کے دائرہ کار میں وہ امور بھی شامل ہو گئے جنھیں بجا طور پر بنکنگ اعمال کے مترادف قرار دیا جاسکتا ہے اور جن کے انجام دینے والوں کے لیے بنک کی اصطلاح استعمال کرنا بھی غلط نہ ہوگا۔

عباسی دور میں انفرادی بنک کار کے مفہوم میں جس اصطلاح کو سب سے زیادہ رواج ملا وہ[1] "جہبذ" (جمع جہابذہ) ہے یہ فارسی لفظ "کہبذ" کا معرب ہے جس کے معنی ہیں کھرے و کھوٹے سکوں میں تمیز کرنے والا یا سکوں کی تشخیص و تعیین قیمت کی مہارت رکھنے والا[2]۔ ساسانی دور حکومت میں کہبذ شعبہ خراج کے انچارج یا سکریٹری کی حیثیت سے مقرر کیے جاتے تھے[3]۔ امیہ دور میں محاصل کے شعبہ میں جہبذ کی تقرری کی بعض مثالیں ملتی ہیں[4]۔ عباسی خلافت کے دوران صوبائی حکومت خراج کی تحصیل میں ان سے مدد لیتی تھی اور زوال کے زمانہ میں جب ایک متعین اور یکمشت رقم کے عوض ٹھیکہ پر خراج کی وصولیابی کا طریقہ رائج ہوا تو حکومت نے ان سے اس طریقہ کے تحت تحصیل خراج کا سمجھوتہ کرنا شروع کیا[5]۔ ان سب کے ساتھ عباسی عہد میں جہابذ انفرادی بنک کار کی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہوئے جیسا کہ آنے والی تفصیلات سے واضح ہوگا۔

عباسی دور کی انفرادی بنک کاری تین اہم خانوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے (الف) لوگوں کی رقمیں جمع کرنا (ب) قرض کے طور پر مالی فنڈ فراہم کرنا (ج) ایک مقام سے دوسرے مقام ارسال زر کا اہتمام کرنا

---

[1] مجد الدین شیرازی، القاموس المحیط، دمشق، ۱۹۵۲ء، جلد اول، ص ۳۶۹، محمد مرتضیٰ الزبیدی، تاج العروس، بیروت ۱۹۶۲ء، المجلد الثانی، ص ۵۵۸، سعید الخوری الشرتونی، اقرب الموارد، بیروت، ۱۸۸۹ء، الجزء الاول، ص ۱۴۴

[2] ابن رستہ، الاعلاق النفیسہ، لیدن، ۱۸۹۲ء، ص ۱۹۶ [3] محمد بن عبدوس الجہشیاری، کتاب الوزراء والکتاب، قاہرہ، ۱۹۳۸ء، ص ۱۷ [4] الصابی، ص ۹۲، ۱۹۸، الجہشیاری، ص ۷۹ القمی، تاریخ قم، تہران، ۱۳۵۳ھ، ص ۱۴۹، عبد العزیز دوری، تاریخ العراق الاقتصادی فی القرن الرابع الہجری، بغداد، ۱۹۴۸ء، ص ۱۶۱، ۱۶۲۔ ص ۱۶۹

ہمارے روایتی ماخذ میں جو بالعموم حکومت اور اہلِ حکومت سے متعلق واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں عام اصحاب ثروت کی جانب سے جہبذ یا انفرادی بنک کاروں کے پاس نقد رقوم جمع کرنے کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں لیکن ان میں اس کے کافی شواہد موجود ہیں کہ عام تحفظ کے نقطۂ نظر سے یا حکومت کے ضبطِ اموال کے قانون (مصادرہ[1]) سے بچنے کے لیے وزراء، گورنر اور دوسرے اہم افسران حکومت انفرادی بنک کاروں کے یہاں اپنے نقود جمع کرتے تھے، ابتداءً یہ اہلِ حکومت اپنی ضروریات کے لیے بلا تخصیص بنک کاروں کی خدمات حاصل کرتے تھے جیسا کہ جہشیاری کے بیان سے یہ شہادت ملتی ہے کہ منصور کے وزیر خالد برمکی ایک نصرانی جہبذ کے پاس اپنی رقمیں جمع کرتے تھے[2]۔ اسی ماخذ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عمر بن مہران (جو ہارون رشید کے دور میں مصر کے عامل تھے) کے ایک جہبذ تھے جو ان کی نقد رقوم کا حساب کتاب رکھتے تھے[3] لیکن بعد کے دور میں رقوم کے جمع و تحفظ کی ضروریات نے اس قدر اہمیت اختیار کر لی کہ وزراء، گورنر اور دوسرے اہم افسران ذاتی طور پر اپنے خاص بینک (ناقد یا جہبذ) متعین کرنے لگے۔ اہم بات یہ کہ ماخذ میں کچھ وزیروں کے مخصوص بینکروں کے نام بھی ملتے ہیں ان کا ذکر یہاں دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، سلیمان بن وہب: لیث[4]، ابن الفرات: ہارون بن عمران و جوزف بن فنحاس[5]، حامد بن العباس: ابراہیم بن یوحنا[6]، علی ابن عیسیٰ: ابن ابی عیسیٰ[7]، ابن شیرزاد[8]، علی بن ہارون، ابو عبداللہ البریدی (گورنر اہواز): یعقوب، اسرائیل بن صالح اور سہل بن نذیر[9]۔ مذکورہ وزراء میں اول الذکر معتمد کے دور (۸۷۰-۸۹۲) اور بقیہ مقتدر کے زمانہ (۹۰۸-۹۳۲) سے تعلق رکھتے ہیں، وزراء اپنے مخصوص بینکروں[10] کے پاس پوشیدہ طور پر رقمیں جمع کرتے تھے اور حسب ضرورت نقداً یا چک و رقعہ کے ذریعہ ان سے رقوم حاصل کرتے تھے۔ اس طریقہ کے اختیار کرنے سے تصرف

---

۱ عباسی دور میں جب کوئی وزیر یا اہم افسر کسی جرم میں ماخوذ ہوتا یا کسی بدعنوانی میں ملوث پایا جاتا تو معزولی کے ساتھ ساتھ اس کا نقدی مال بھی ضبط کر لیا جاتا تھا، اسے مالی جرمانہ سے تعبیر کیا جاتا تھا اور اس کے لیے مصادرہ کی اصطلاح رائج تھی (ہلال الصابی، تحفۃ الامراء فی کتاب الوزراء، دمشق، ۱۹۵۸ء، صہ ۹۰-۱۴۰، ۱۴۱، ۳۳۱-۳۳۲، ای، ایشتر، محولہ بالا، صہ ۱۱۴، ۱۳۲-۱۳۵، ۱۴۱، ۱۴۲-۱۴۳، ۲ الجہشیاری، صہ ۹۴ ۳ ایضاً صہ ۱۴۷
۴ ابو علی محسن التنوخی نشوار المحاضرہ و اخبار المذاکرہ دمشق ۱۹۳۰ء الجزء الثامن صہ ۵۷ ۵ الصابی، صہ ۹۰-۹۱، ۲۴۲، تنوخی، محولہ بالا صہ ۲۲-۲۳ ۶ الصابی، صہ ۲۴۸، مسکویہ، تجارب الامم، آکسفورڈ، ۱۹۲۰ء، جلد اول صہ ۹۵
۷ الصابی، صہ ۲۵۵، ۳۱۶ ۸ مسکویہ، جلد دوم صہ ۹ ۹ ایضاً جلد اول صہ ۱۵۸-۳۴۹، جلد دوم صہ ۱۳

یہ کہ اہل مناصب کی دولت محفوظ ہو جاتی تھی بلکہ اس سے انفرادی بنک کاروں کو یہ موقع بھی فراہم ہوتا تھا کہ وہ جمع شدہ رقم کو اپنے بنکنگ اعمال کو وسعت دینے میں استعمال کریں۔ اس ذریعہ سے ان کے پاس کس کثیر مقدار میں مالی فنڈ اکٹھا ہو جاتا تھا اس کا اندازہ چند مثالوں سے ہو سکتا ہے۔ سلیمان وہب کی معزولی کے بعد ان کے بینکر لیث کے پاس سے ان کی جمع کردہ رقم جو برآمد ہوئی وہ تقریباً اسی ہزار دینار تھی ابن الفرات کی تمام احتیاط کے باوجود حکومت ان کی جمع کردہ رقم کا پتہ لگانے میں کامیاب ہوگئی اور یہ رقم ایک لاکھ ساٹھ ہزار دینار کے برابر تھی[1]۔ اسی طرح حکومت نے حامد بن العباس کے بنک سے ان کی معزولی کے بعد جو رقم حاصل کی وہ ایک لاکھ دینار تھی[2]۔ اس کے علاوہ جمع کی جانے والی رقموں کی کثیر مقدار اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ بعض وزیر اور گورنر دو دو تین تین بینکر رکھتے تھے مزید براں یہ امر کہ یہ جہابذہ نہ صرف روپیہ جمع کرنے والے تھے بلکہ باقاعدہ بینکر کے فرائض انجام دیتے تھے اس سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ وزیروں کی آمدنی براہِ راست ان کے پاس وصول ہو جاتی تھی[3]۔ اور یہ وزراء خود دوسروں کو مالی اعانت بہم پہونچانے کے لیے یا کسی اور مقصد کے تحت اپنے پاس سے رقوم کی ادائیگی کے بجائے اپنے بنک کے نام چک جاری کرتے تھے[5]۔ یہ بینکر متعلقہ وزیر کے جمع اور خرچ کا باقاعدہ حساب رکھتے تھے اور مالی فنڈ کے منتظم یا محاسب کی خدمات بھی انجام دیتے تھے[6]۔

عباسی دور میں انفرادی بنک کاری کا دوسرا اہم پہلو قرض کے طور پر مالی فنڈ کی فراہمی تھا اور اس میں شبہ نہیں کہ جہابذہ کے دیگر ذرائع آمدنی کے علاوہ دوسروں کی جمع کردہ نقد رقوم اس بنکنگ عمل کے لیے محرک اور اسے وسعت دینے میں ممد و معاون ثابت ہوئیں معاصر مورخین کے بیانات سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ زوال کے دور میں جب عباسی حکومت معاشی بحران کا شکار ہوئی تو اس نے اس پر قابو پانے کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں مثلاً ریونیو فارمنگ (ایک متعین پیشگی رقم کے عوض محاصل

---

[1] تنوخی، الجزء الثانی، صہ ۵۷، دوری، صہ ۱۶۳ [2] الصابی، صہ ۹۰-۹۱، ۱۲۰-۱۲۱، مسکویہ، جلد اول صہ ۱۲۸، تنوخی، محولہ بالا، صہ ۲۳-۲۲ [3] الصابی، صہ ۲۲۸، مسکویہ، جلد اول، صہ ۹۵، ان تفصیلات سے ایک دلچسپ پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ وزراء اور دوسرے افسران کی تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود حکومت اکثر ان کے خفیہ اکاؤنٹ کا پتہ لگانے اور جمع کردہ رقم کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔ [4] الصابی صہ ۲۸ [5] ایضاً صہ ۲۴۲، مسکویہ، جلد اول، صہ ۱۱۲ [6] الجہشیاری، صہ ۱۷۴

کی وصولیابی کے لیے سمجھوتہ کرنا) خالصہ زمینوں کی فروخت، نئے شعبوں کا قیام اور ان کی نیلامی وغیرہ[1] اس کے علاوہ بعض تجربہ کار وزیروں نے آمد و خرچ میں توازن پیدا کرنے کے لیے اخراجات میں تخفیف اور عملہ حکومت کی تنخواہ میں کمی وغیرہ جیسے طریقے اپنائے۔[2] ان سب کے باوجود جب حکومت کے اپنے وسائل ہنگامی ضروریات اور فوجی اخراجات کی تکمیل کے لیے کافی نہ ہوتے تو مالی فنڈ کی فراہمی کے لیے انفرادی بنک کاروں کی خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ عبدالعزیز دوری کے خیال میں عباسی حکومت نے مقتدر کے زمانہ سے انفرادی بنک کاروں کا سہارا لینا شروع کیا، اس سے قبل وہ مزید وسائل کی فراہمی کے لیے دوسرے ذرائع اختیار کرتی تھی۔[3] اس بیان کی توثیق مذکورہ خلیفہ کے دور حکومت میں مالی فنڈ کی فراہمی کے لیے وزراء و جہابذہ کے درمیان متعدد سمجھوتوں سے ہوتا ہے۔ مزید براں اس دور میں حکومت کے لیے بنک کاروں کی خدمات کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس نے اپنے مخصوص بنکر مقرر کیے جو "جہابذہ الحضرۃ" کے لقب سے معروف ہوئے اور انھیں دربار میں مختلف قسم کی آسانیاں و مراعات بہم پہونچائیں۔[4] ان درباری یا سرکاری بنک کاروں میں ہارون بن عمران اور یوسف بن فنحاس کا نام مآخذ میں بار بار آتا ہے۔[5] اور عہد مقتدر کے مختلف وزراء (جو انتظامیہ کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے آمد و خرچ میں توازن پیدا کرنے کے خاص ذمہ دار ہوتے تھے) اور ان بنک کاروں کے مابین قرض کے متعدد معاملات طے ہونے کے حوالے ملتے ہیں۔

مقتدر کے مشہور وزیر ابن الفرات کے بارے میں مختلف مآخذ سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے اپنی پہلی وزارت کے دوران (۹۰۸-۹۱۱) یہودی جہبند یوسف بن فنحاس سے یہ معاملہ کیا وہ انھیں اس مقدار میں نقود فراہم کرے کہ وہ اہواز کے عملہ حکومت کی دو ماہ کی تنخواہ ادا کرسکے۔ وزیر نے ضمانت یا سیکورٹی کے طور پر صوبہ اہواز کے آئندہ محاصل کو پیش کیا جس کی وصولی کا حق انھیں حکومت سے سمجھوتہ کے تحت حاصل تھا۔[6] یہ ایک وقتی ضرورت کے تحت درباری بینکر کی جانب سے حکومت کو قرض

---

[1] ایشٹر، ۱۲۲-۱۳۶ [2] H. Bowen, The Life and Times of Ali bin Isa,
Cambridge 1928, PP. 16, 122-23 [3] تاریخ العراق الاقتصادی محولہ بالا ص۱۶۳
[4] الصابی، ص۹۰-۹۱، ۱۷۷ [5] الصابی ص۹۰-۹۳، ۱۲۰-۱۲۱، ۱۷۷، تنوخی، نشوار المحاضرہ، الجزء الثانی ص۸۱،
۸۴، ۸۵ مسکویہ جلد اول، ص۴۴، ۶۶، ۷۹، ۸۰
[6] الصابی ص۱۹۸

فراہم کرنے کی مثال تھی جس میں مقروضہ رقوم کی صراحت نہیں ملتی۔ رقم کی وضاحت کے ساتھ طویل المیعاد قرض کی مثال وزیر علی ابن عیسیٰ اور درباری بنک کاروں کے مابین ایک معاہدہ میں ملتی ہے جو اس کی پہلی وزارت (۹۱۲ - ۹۱۶) کے دوران عمل ہوا۔ وزیر نے جب حکومت کے خزانہ سے فوج کو تنخواہ ادا کرنے میں دشواری محسوس کی تو ہارون بن عمران اور یوسف بن فنحاس سے یہ معاملہ طے کیا کہ وہ دونوں حکومت کو ہر مہینہ کی پہلی تاریخ کو ایک لاکھ پچاس ہزار دینار مہیا کریں جو انھیں بعد میں صوبہ اہواز کے محاصل سے واپس مل جائے گا[۱]۔ یہ سمجھوتہ بظاہر ایک طویل مدت کے لیے معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے صاف طور پر یہ نہیں پتہ چلتا کہ کب تک یہ باقی رہا۔ لیکن اسی وزیر نے حکومت کو ہر مہینہ دس ہزار دینار فراہمی کے لیے انھیں بنک کاروں سے ایک دوسرا سمجھوتا کیا ماخذ کی تصریح کے مطابق اس کی میعاد ۱۶ سال تھی اور اس قرض کے لیے حکومت نے ان تحفیات (LETTERS OF CREDIT) کی ضمانت دی جو صوبوں سے وصول ہوئے تھے لیکن ان کے عوض نقد حاصل کرنے کی مدت ابھی پوری نہیں ہوئی تھی[۲]۔ درباری بنک کاروں کی جانب سے حکومت کو قرض فراہم کرنے کی ان چند مثالوں سے جو اہم باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ کہ جدید دور کے مثل اس وقت بھی قرض کے حصول کے لیے سیکوریٹی یا ضمانت کا طریقہ رائج تھا اور وقتی ضرورت کے علاوہ طویل مدت کے لیے بھی قرض کے معاملے طے کیے جاتے تھے۔

جمع رقوم اور فراہمی قرض کے علاوہ ایک مقام سے دوسرے مقام رقوم کی منتقلی یا ارسالِ زر بھی انفرادی بنک کاروں کے دائرۂ عمل میں شامل تھا، خطرات سفر اور بار تحمل سے بچنے کے لیے تاجروں کے ذریعہ ایک شہر سے دوسرے شہر نقد رقوم بھیجنے کا طریقہ مسلم ممالک میں پہلی صدی ہجری ہی سے رائج تھا جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (وفات ۶۸ھ) اور عبداللہ ابن زبیرؓ (وفات ۷۳ھ) کی بابت روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ وہ مکہ میں مسافروں و تاجروں کی نقد رقوم جمع کر لیتے تھے اور کوفہ و بصرہ میں (جہاں وہ اپنی رقوم بھیجنا چاہتے تھے) ان کی ادائیگی کے لیے اپنے شرکاء تجارت یا نمائندوں کے نام خط لکھ دیا کرتے تھے[۳]۔ بعد کے دور میں ارسالِ زر کے اس سادہ سے طریقہ نے اور ترقی کی اور عام تاجروں کے بجائے ان کا ایک مخصوص طبقہ یا انفرادی بنک کار اسے قابلِ عمل بناتے اور آگے

---

۱ الصابی ص ۹۳، تنوخی، نشوار المحاضرہ الجزء الثامن، ص ۲۳-۲۴ ۲ الصابی ص ۹۳، تنوخی ص ۲۵-۲۶

۳ محمد بن احمد السرخسی، المبسوط، مطبعۃ السعادۃ۔ القاہرہ۔ الجزء الرابع عشر ص ۳۶-۳۷ ڈاکٹر صالح احمد العلی التنظیمات الاجتماعیہ والاقتصادیہ فی البصرہ فی القرن الاول من الہجری، بغداد، ۱۹۵۳ء، ص ۲۶۴

بڑھانے میں مصروف ہوئے، اس کے کچھ اصول وضوابط بنائے گئے اور اس کے لیے سفتجہ[1] کی خاص اصطلاح رائج ہوئی جو بالعموم بل آف ایکسچینج یا لیٹر آف کریڈٹ کے ہم معنی قرار دیا جاتا ہے۔ گرچہ سفتجہ کے طریقہ سے واقفیت اور اس پر عمل آوری عہد عباسی سے پہلے موجود تھی[2] لیکن مسافروں، تاجروں و اہل حکومت میں اس کی مقبولیت اور اس کے استعمال کی وسعت عباسی دور کی مرہون منت ہے۔ ارسال زر کے اس طریقہ کے تحت معمول یہ تھا کہ ایک مقام سے دوسرے مقام ارسال زر کے طلب گار مقامی بنک کار کے پاس اپنی رقوم جمع کر دیتے تھے۔ یہ بنک کار جمع کرنے والے کے مطلوبہ شہر میں اسے یا اس کے نامزد شخص کو ادائیگی کے لیے تحریری ہدایت یا حکم نامہ (سفتجہ) جاری کرتا تھا اسے ہم جدید دور کی اصطلاح میں ٹریولنگ چیک، بنک ڈرافٹ یا پوسٹل آرڈر سے تعبیر کر سکتے ہیں اس دور کے تاریخی و ادبی لٹریچر میں سفتجہ کی جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے بخوبی اس کے استعمال کی نوعیت اور انفرادی بنک کاری کی وسعت واضح ہوتی ہے۔

دسویں صدی عیسوی کے واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے محسن تنوخی نے ایک مسافر کا ذکر کیا کہ مشرق سے اسپین طویل سفر کے دوران اس کے پاس کچھ نقد تھا اور باقی پانچ ہزار دینار سفتجہ یا بل آف ایکسچینج کی صورت میں تھا۔[3] اسی ماخذ میں ایک عورت کا قصہ مذکور ہے کہ اس نے اپنے شوہر سے (جو کسی

---

[1] سفتجہ (جمع سفاتج) فارسی لفظ سفتہ کا معرب ہے۔ اس کے لغوی معنی محکم و مضبوط شی کے ہیں، اصطلاحی طور پر ایک متعین رقم کی ایک طے شدہ مقام پر ادائیگی کے لیے حکم نامہ یا ہدایت نامہ کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جو ایک شخص کی جانب سے دوسرے کے لیے جاری کیا جائے۔ مزید لغوی وضاحت کے لیے ملاحظہ کیجئے عبدالرشید، فرہنگ رشیدی، کلکتہ، ۱۸۷۵ء، جلد دوم، ص ۲۴، القاموس المحیط، محولہ بالا، ص ۱۹۳، اقرب الموارد، محولہ بالا، الجزء الاول ص ۵۱۹، محمد اعلی تھانوی، کشاف اصطلاحات الفنون، کلکتہ لیتھو پریس، ص ۳۶-۴۲۷

[2] سفتجہ کی بابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث منسوب ہے لیکن ناقدین حدیث نے عموماً اسے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن الجوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے جمال الدین ابو محمد عبد اللہ الزیلعی نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ، المجلس العلمی، سورت ۱۹۳۸ء، ص ۶۰ ڈاکٹر صالح احمد العلی کے خیال میں اس کا چلن پہلی صدی ہجری میں موجود تھا (التنظیمات الاجتماعیہ والاقتصادیہ، محولہ بالا، ص ۲۶۴) بہر حال دوسری صدی ہجری سے اس پر فقہی بحثیں شروع ہوئیں اس سے اس دور سے اس کا رواج یا بالیقین معلوم ہوتا ہے سفتجہ پر اولین بحث کے لیے دیکھئے۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ۔ حیدرآباد، ۱۹۶۸ء، الجزء الثانی ص ۶۰۹

[3] محسن التنوخی، الفرج بعد الشدۃ، قاہرہ، ۱۹۰۲ء، الجزء الاول ص ۱۰۳

دور دراز علاقہ میں رہتا تھا) سفتجہ کے ذریعہ دو سو دینار وصول کیے[1]۔ بصرہ میں تجارت کے ایک اہم مرکز دار الزبیر سے منسلک ایک تاجر کا اپنا تجربہ مذکورہ مولف کی ایک دوسری کتاب میں منقول ہے کہ وہاں پہنچنے کے بعد ایک مسافر نے اپنے سفتجہ کاغذات اس کے پاس جمع کیے اور اس شہر میں قیام کے دوران وہ روزانہ اس کے یہاں آتا اور اپنی ضرورت کے مطابق نقد لے جاتا یہاں تک کہ سفتجہ میں مندرجہ تمام رقم ختم ہوگئی[2]۔ اس دور میں ارسال زر کے اس طریقہ کا رواج اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نقدی نذرانے وتحائف ایک مقام سے دوسرے مقام بھیجنے کے لیے بھی یہ مستعمل تھا[3]۔

سفتجہ کے اس عام استعمال کے علاوہ حکومت کے اپنے کاموں کے لیے اس طریقہ کو اپنانے کی وجہ سے اسے مزید رواج ملا۔ حکومت نے ایک مقام سے دوسرے مقام محاصل کی رقوم منتقل کرنے کے لیے انفرادی بنک کاروں کی فراہم کردہ اس سہولت سے فائدہ اٹھایا۔ اس مقصد کے لیے سفتجہ کے استعمال کی مثالیں اموی دور حکومت میں بھی پائی جاتی ہیں[4] لیکن صوبوں کے مختلف علاقوں سے اس کے صدر مقام اور پھر صوبوں سے مرکز محاصل کی رقوم بھیجنے کے لیے وسیع پیمانہ پر اس نظم پر عمل درآمد عباسی دور کی یادگار ہے۔ اس سے قبل عہد مقتدر کے ایک وزیر علی ابن عیسیٰ کی بابت یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ انھوں نے درباری جہابذہ سے قرض لیتے وقت ان سفاتج کو بطور ضمانت پیش کیا تھا جو صوبوں سے موصول ہوئے تھے لیکن متعینہ مدت کے پورے نہ ہونے کی وجہ سے انھیں ابھی بھنایا نہیں گیا تھا[5]۔ مزید براں ان کے پیشرو محمد بن عبید اللہ خاقانی کے بارے میں عام شکایت یہ تھی کہ وہ صوبوں سے موصول ہونے والے سفتجہ کے کاغذات پر توجہ نہیں دیتے اور کئی کئی روز تک یوں ہی بند پڑے رہتے ہیں[6]۔ مشہور تاریخ نویس مسکویہ نے سنہ ۹۱۶ء کے حالات کے ضمن میں مرکزی بیت المال پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں فارس، اصفہان، اہواز اور دوسرے صوبوں سے موصول ہونے والی محاصل کی کثیر رقوم سفاتج کی صورت میں موجود تھیں[7]۔ اس کے علاوہ دسویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی میں عباسی حکومت کے محاصل کا تخمینہ بیان کرتے ہوئے یہ ذکر کیا کہ سنہ ۹۲۵ء میں مرکزی حکومت نے مصر و شام سے محاصل کی مد میں ایک لاکھ سینتالیس ہزار دینار سفتجہ کے ذریعہ وصول کیے[8]۔ معاصر ماخذ سے یہ ظاہر

---

[1] ایضاً، الجزء الثانی، ص ۳۳ [2] نشوار المحاضرہ واخبار المذاکرہ، محولہ بالا، الجزء الثانی، ص ۱۳۱
[3] الفرج بعد الشدۃ، الجزء الثانی، ص ۱۰۳-۱۰۵ [4] الجہشیاری، محولہ بالا، ص ۶۶ [5] الصابی ص ۹۳ [6] ایضاً ۲۸۶
[7] مسکویہ، جلد اول، ص ۱۸۷، نیز دیکھئے ایضاً ص ۱۵۰ [8] مسکویہ، جلد اول، ص ۱۲۶، الصابی، ص ۲۱۳-۳۱۵

ہوتا ہے کہ بعد کے دور میں بھی اہل حکومت میں یہ طریقہ مقبول رہا۔ تیرہویں صدی عیسوی کے ایک مصنف ابن سعید المغربی مصر کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں کے گورنر کو جب بھی کوئی رقم بغداد وزیر کے یہاں بھیجنی ہوتی ہے تو وہ اس شہر میں اپنے ایجنٹ کے نام لیٹر آف کریڈٹ روانہ کر دیتے ہیں جو اس کے عوض تحریر کردہ رقم وزیر کے حوالہ کر دیتا ہے[1]۔ عباسی دور میں محاصل کی رقوم بھیجنے کے لیے سفتجہ کا کثرت استعمال اس سے بھی بخوبی واضح ہوتا ہے کہ صوبوں سے مرکز سفتجہ کے کاغذات بھیجنے کے لیے مخصوص آفیسر مقرر کیے جاتے تھے جو "فیج" کے نام سے معروف تھے[2]۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہمارے ماخذ میں تجارتی مقاصد کے لیے سفتجہ کے استعمال کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں لیکن اس امکان سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تاجروں نے اس سے ضرور فائدہ اٹھایا ہوگا اس لیے کہ دور دراز علاقوں سے خرید و فروخت کے معاملات طے کرنے اور تجارتی اغراض سے سفر کے خطرات سے محفوظ رہتے ہوئے نقود کو ایک مقام سے دوسرے مقام منتقل کرنے میں اس نظم کی وجہ سے جو سہولتیں فراہم ہوئیں وہ بالکل ظاہر ہیں اور پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ تاجروں کی ضروریات یا دور دراز علاقوں سے تجارت کی مشکلات ہی اس طریقہ کے ایجاد کا باعث بنیں[3] اس لیے تجارتی حلقوں میں اس کا رواج نہ پانا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے، مزید براں تاریخی کتب میں سفتجہ کے ذریعہ دوسرے مقام پر بیع کے عام معاملات طے ہونے کی بعض مثالیں ملتی ہیں الجہشیاری کے بیان کے مطابق منصور کے زمانہ خلافت میں کوفہ کے ایک شخص نے بصرہ میں اپنے ایک دوست کے ذریعہ ایک رہائشی مکان خریدا اور اس کی قیمت نقد ادا کرنے کے بجائے سفتجہ کی وساطت سے روانہ کی[4]، اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہ ہوگا کہ اس دور میں تاجروں نے بھی اپنے کاروباری مقاصد کے لیے اس کا بھرپور استعمال کیا ہوگا کسی ایک خاص طبقہ کے بجائے مختلف طبقے کے لوگوں میں اس کے رواج پانے کی دلیل اس سے بڑی اور کیا ہو سکتی ہے کہ مفتاح العلوم (عباسی دور میں مرتب کی گئی مصطلحات کی ایک مشہور قاموس) کے

---

[1] علی ابن سعید المغربی، کتاب المغرب عن حلی المغرب، لیڈن، ۱۸۹۰ء، ص ۲۲

[2] مسکویہ، جلد اول، ص ۱۵ [3] ماہرین لغت اور فقہاء نے اس کی تشریح کرتے وقت مثال کے طور پر تاجروں کے ذریعہ اس کے استعمال کا ذکر کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے راقم الحروف کا مضمون "سفتجہ کی شرعی حیثیت" تحقیقات اسلامی، جلد ۳ شمارہ ۲ اپریل جون ۱۹۸۴ء ص ۱۴-۱۹

[4] الجہشیاری، محولہ بالا، ص ۶۵-۶۶

مولف نے لفظ سفتجہ کی وضاحت ضروری نہ سمجھی اور اس کے آگے صرف "معروف" لکھ کر چھوڑ دیا[۱] اور تجربات کے نتیجہ میں اس نظم کے ترقی کرنے کی شہادت اس سے ملتی ہے کہ یہ کچھ خاص اصولوں کے تحت رائج تھا، مثلاً سفتجہ کے جاری ہونے کے بعد ایک متعینہ مدت کے بعد ہی اسے نقد میں تبدیل کیا جاسکتا تھا[۲]۔ اگر صاحب سفتجہ اس مدت سے قبل اسے بھنانا چاہتا تو اسے زر تخفیف ادا کرنا ہوتا تھا[۳] اس مدت کے گزرنے کے بعد مندرجہ رقم کو بیک وقت یا بالاقساط لیا جاسکتا تھا[۴]۔ عام لوگوں کے لیے سفتجہ کے طریقہ کو قابل عمل بنانے میں تاجر یا صراف یا جہبذ سہولتیں بہم پہونچاتے تھے، حکومت کے لیے ان کے اپنے درباری بنک کار یہ خدمت انجام دیتے تھے۔

عباسی دور میں بنکنگ سرگرمیوں کا ایک اور پہلو مختلف اغراض و مقاصد کے لیے نقد ادائیگی کے بجائے چک اور رقعہ کا استعمال تھا۔ ادائیگی کے اس طریقہ کو قابل عمل بنانے اور اسے رواج دینے میں بھی انفرادی بنک کاروں کا خاص رول تھا۔ اس کے استعمال کی ابتدا عام طور پر اسلامی تاریخ کے اولین دور یا پہلی صدی ہجری سے منسوب کی جاتی ہے[۵]۔ لیکن خرید و فروخت کے معاملات طے کرتے، مالی مدد فراہم کرنے اور حکومت کی جانب سے مستحقین کو وظائف دینے اور افسران حکومت کو تنخواہ دینے کے لیے اس کا رواج عباسی دور میں شروع ہوا۔ اس سے قبل یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ اصحاب ثروت بالخصوص حکومت کے متعلقین انفرادی بنک کاروں کے پاس اپنی رقمیں جمع کرتے تھے یہ حضرات اپنی نجی ضروریات کے وقت یا کسی کو دینے کے لیے ان کے نام اکثر چک جاری کرتے تھے بینکرس بلا خوف و خطر اسے تسلیم کرتے تھے اور اس کے عوض مندرجہ رقوم متعلقہ شخص کے حوالہ کر دیتے تھے صاحب کتاب الوزراء ہارون رشید کی بابت ذکر کرتے ہیں کہ خلیفہ نے اپنے وزیر فضل بن یحییٰ کی سفارش پہ امام محمد بن ابراہیم پر انعام و اکرام کیا اور نقد کے بجائے چک کی صورت میں ایک لاکھ درہم پیش کیا[۶]۔ عہد معتمد کے وزیر سلیمان بن وہب اور ان کے بیٹے عبد اللہ کے خاص بینکر لیث تھے تنوخی کے بیان کے مطابق یہ اپنی ضروریات کے لیے لیث کے نام چک جاری کیا کرتے تھے[۷]۔

---

۱ محمد الخوارزمی، مفتاح العلوم، بریل ۱۸۹۵ء صہ ۶۳ ۲ الصابی، صہ ۹۳ تنوخی، الجزء الثانی صہ ۱۲۱
۳ الصابی صہ ۹۳ ۴ تنوخی، محولہ بالا صہ ۱۲۱
۵ تفصیل کے لیے دیکھئے دوری، التنظیمات الاجتماعیہ والاقتصادیہ، محولہ بالا، صہ ۱۷۷-۱۷۸
۶ الجہشیاری صہ ۱۵ ۷ تنوخی، محولہ بالا صہ ۵

مقتدر کے دور کے وزیر ابن الفرات کے بارے میں دوسرے مآخذ سے یہ شہادت فراہم ہوتی ہے کہ ان سے اپنے پیشرو اور معزول وزیر علی ابن عیسیٰ کی مالی اعانت کے لیے دو ہزار دینار کا چک بھیجا جو اس کے بینکر ہارون بن عمران کے نام جاری کیا گیا تھا[۱]۔ مزید براں اسی وزیر کی بابت یہ ثبوت بھی ملتا ہے کہ اس نے اپنی تیسری وزارت کے دوران ۹۲۳ء میں ابن ابی البغل نامی ایک شخص کے لیے تین ہزار دینار کا چک جاری کیا تاکہ وہ اپنی ضروریات رفع کر سکے[۲]۔ مسکویہ بویہی امیر سیف الدولہ کے ۹۴۱ء میں بغداد کے سفر کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سفر کے دوران نبی خاقان کے بعض نوجوانوں نے بغیر پہچانے ہوئے ایک اجنبی کی حیثیت سے ان کی کافی خاطر تواضع کی۔ اس عمل سے خوش ہو کر مذکور امیر نے انھیں رخصت کے وقت سو دینار کے چک سے نوازا[۳]۔ عباسی دور بالخصوص چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) میں چک کے استعمال کی کثرت پر مزید ثبوت صاحب ارشاد الاریب یاقوت الحموی کی تحریروں سے فراہم ہوتا ہے، انھوں نے اہل ذوق اور علم دولت دولتمندوں کی جانب سے شاعروں اور مغنیوں کو نقد کے بجائے چک کی صورت میں نوازنے کی متعدد مثالیں بیان کی ہیں[۴]۔ مشہور مورخ و جغرافیہ داں مسکویہ اور ابن حوقل کے بیانات سے عباسی دور میں عرب و افریقی ممالک میں چک کے کثرت استعمال کی مزید تصدیق ہوتی ہے[۵]۔ معاصر مآخذ کی تفصیلات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت بعض اوقات فوجوں کو تنخواہ دینے یا مستحقین کو وظائف عطا کرنے کے لیے اسی طریقۂ ادائیگی کو ترجیح دیتی تھی[۶]۔ ایرانی سیاح ناصر خسرو نے اپنے سفرنامہ میں بعض دوستوں سے چک وصول کرنے کا اپنا ذاتی تجربہ بیان کیا ہے[۷] اور مصر کی جامع مسجد کی شان و شوکت پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کے زائرین میں خصوصیت کے ساتھ کاتبان چک کا ذکر کیا ہے[۸]۔ یہ تمام واقعات و بیانات عباسی دور میں چک کے کثرت استعمال اور رواج کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور ان سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انفرادی بنک کاری اس کام میں ممد و معاون ثابت ہوتے تھے۔ حکومت کے اپنے چک درباری بنکروں یا بیت المال کے نام تحریر کیے

---

۱ الصابی، ص۳۲۲، مسکویہ جلد اول ص۱۱۲ ۲ الصابی ص۸۳ ۳ مسکویہ، جلد دوم ص۲۲۹

۴ یاقوت الحموی۔ ارشاد الاریب الی معرفۃ الادیب، لیڈن ۱۹۵۷ء، جلد اول، ص۲۸۵، ۳۹۹

۵ ابن حوقل، کتاب المسالک والممالک، لیڈن ۱۸۷۳ء ص۴۲، ۷۰، ۶۱، ۹۹ مسکویہ، جلد دوم، ص۸۰

۶ مسکویہ، جلد سوم، ص۴۶، الصابی، ص۸۹، ۲۵۷ ۷ ناصر خسرو، سفرنامہ، پیرس ۱۸۸۱ء ص۶۲

۸ ایضاً ص۶۵

جاتے تھے جبکہ عام اصحاب ثروت ان بنک کاروں کا حوالہ دیتے تھے جن کے یہاں ان کی رقوم جمع ہوتی تھیں۔

عباسی دور کی انفرادی بنک کاری پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ ذکر اہمیت سے خالی نہ ہوگا کہ اس پیشہ کو اختیار کرنے والوں میں اکثریت یہودیوں اور عیسائیوں کی تھی۔ عبدالعزیز دوری کے خیال میں تیسری صدی ہجری کے آخر تک اکثر جہابذہ وصراف عیسائی تھے، چوتھی صدی سے ان مشاغل میں یہودیوں کو غلبہ حاصل ہوا[۵۱]۔ بہر حال مآخذ میں اس دور سے متعلق جن بنک کاروں کا حوالہ ملتا ہے ان میں اکثریت یہودیوں کی نظر آتی ہے جیسا کہ مقدسی کے اس بیان سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے "اکثر جہابذہ وصراف یہودی ہیں اور اطباء میں اکثریت نصاریٰ کی ہے"[۵۲]۔ مآخذ سے یہ ثبوت بھی بہم پہونچتا ہے کہ یہ بنک کار سفتجہ کے عوض نقد دیتے وقت یا چک کے بھناتے وقت زر تخفیف یا کمیشن کے طور پر اصل رقم سے فی دینار ایک درہم کے حساب سے کاٹ لیتے تھے[۵۳]۔ ان بنک کاروں کی جانب سے بینکنگ سروسز کے عوض معاوضہ وصول کرنے کا دستور اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں عباسی حکومت کے عائد کردہ محاصل کی فہرست میں مال جہبذہ کا ذکر ملتا ہے قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اس مد کی آمدنی کو اپنے مخصوص بنک کاروں کی خدمات کا معاوضہ دینے میں صرف کرتی تھی[۵۴]۔ مزید براں بعض مورخین نے جہابذہ یا انفرادی بنک کاروں کی کثیر دولت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے[۵۵]۔ اس میں یقیناً دیگر ذرائع آمدنی کے ساتھ بنک کاری کے مشاغل سے حاصل ہونے والے منافع بھی شامل رہے ہوں گے۔

عباسی دور میں جہابذہ وصراف بنیادی طور پر انفرادی حیثیت میں بنک کاری کے مشاغل انجام دیتے تھے لیکن ان کی بعض بنکنگ تنظیم یا فرم کا محدود تصور بھی ملتا ہے۔ بغداد کے دونوں مشہور بینکر ہارون بن عمران اور یوسف بن فنحاس کا مشترکہ کاروبار کچھ اسی نوعیت کا تھا ان کے نمائندے و ایجنٹ مختلف

۵۱۔ دوری، محولہ بالا، ص ۱۷۳ ۵۲۔ المقدسی، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، بیروت، ۱۹۰۶ء، ص ۱۸۲ نیز دیکھئے ابویوسف، کتاب الخراج القاہرہ، ۱۳۵۲ھ ص ۱۲۳، تاریخی مآخذ میں مسلم صرافوں یا جہبذوں کے بعض حوالے بھی ملتے ہیں، ابن الاثیر جلد نہم ص ۱۴۷، یاقوت الحموی، ص ۱۳۵، تنوخی جلد اول، ص ۲۷۲ مسکویہ، جلد دوم ص ۳۰۷

۵۳۔ تنوخی، جلد اول، ص ۲۰۱، یاقوت الحموی، جلد اول، ص ۳۹۹، مسکویہ، جلد دوم، ص ۲۲۹

۵۴۔ الصابی، ص ۹۳، ۳۷۷، ۳۱۶، مقریزی، کتاب الخطط والآثار، بولاق، ۱۲۷۰ھ جلد اول، ص ۲۷۲، القمی، تاریخ قم، تہران، ص ۱۴۹ - ۱۵۱، ایچ، بودین، محولہ بالا، ص ۴۸ ۵۵۔ جہشیاری، ص ۷۹

شہروں میں موجود تھے اور ان کی وساطت سے وہ تجارتی کاروبار کے علاوہ بنکنگ مشاغل بھی انجام دیتے تھے اور اشتراک عمل کی وجہ سے دونوں بالعموم "الجہبندان الیہودان" کے لقب سے معروف تھے اور ماخذ میں بھی یہ اکثر اسی نام سے ذکر کیے جاتے ہیں[۵۱]۔ دلچسپ اور اہم بات یہ کہ حکومت بھی انھیں ایک فرم کی حیثیت سے تسلیم کرتی تھی۔ قرض کے لین دین کا مسئلہ درپیش ہوتا یا اور کوئی معاملہ ہوتا دونوں دربار میں طلب کیے جاتے اور دونوں کو مشترکہ طور پر معاہدہ میں شریک کیا جاتا مزید براں خلاف ورزی کی صورت میں دونوں ہی تادیبی کارروائی کے موجب قرار دیے جاتے[۵۲]۔ ان کی فرم کی نوعیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ حکومت کے ساتھ معاہدوں میں ان دونوں کے ساتھ ان کے ورثہ و نمائندوں کو بھی شریک تصور کیا جاتا تھا[۵۳] اور وہ بھی اس کے نکات کی پابندی کے ذمہ دار قرار دیے جاتے تھے[۵۴]۔ اس کے علاوہ مصر کے سہل برادران (یا بنو سہل) عباسی دور کی دوسری بینکنگ فرم سے تعبیر کیے جاسکتے ہیں۔ ظاہر و مستنصر کے زمانہ میں یہ دربار کے بینکر مقرر ہوئے تھے اور حکومت کے لیے مشترکہ طور پر بنکنگ خدمات انجام دینے کے علاوہ ایک فرم کی حیثیت سے دوسروں کو بھی بنکنگ سہولیات بہم پہونچاتے تھے[۵۵]۔

بنکنگ تنظیم یا فرم کی ان ابتدائی شکلوں کے علاوہ عباسی دور میں بنکنگ سرگرمیوں پر یہ امر بھی دلالت کرتا ہے کہ اس وقت بڑے بڑے شہروں میں بعض محلہ جات جہبند و صراف یا بنک کاروں کے لیے مخصوص ہوتے تھے۔ بغداد کے مشہور بازار کرخ میں ان کا مرکز درب العون یا عون اسٹریٹ تھا[۵۶]۔ اس سے قبل بصرہ کی بندرگاہ کے قریب مشہور تجارتی مرکز دارالزبیر کا ذکر کیا جا چکا ہے جہاں سفتجہ کے ذریعہ رقوم کی منتقلی اور سفتجہ یا بل آف ایکسچینج کو نقد میں تبدیل کرنے کا بھی انتظام تھا[۵۶]۔ ناصر خسرو نے اصفہان کے حالات کے ضمن میں درج کیا ہے کہ ان سے وہاں تقریباً دو سو صرافوں کو دیکھا جو مختلف بنکنگ اعمال میں مصروف تھے[۵۷]۔

---

۵۱ الصابی، ص ۷۹-۸۱، ۹۱، ۱۷۷، تنوخی، الجزء الثانی، ص ۸۱-۸۲، یاقوت الحموی، ص ۲۲۷، مسکویہ جلد اول ص ۱۲۸

۵۲ الصابی، ص ۹۲-۹۳، ۱۹۸، تنوخی، الجزء الثانی، ۲۳-۲۶ ۵۳ الصابی، ص ۹۲-۹۳، تنوخی، ص ۲۳-۲۵ مسکویہ، جلد اول، ص ۱۲۸ ۵۴ مسکویہ، ص ۳۴۹، مقریزی جلد اول ص ۳۵۵، ۴۲۴

۵۵ مسکویہ، جلد اول ص ۱۴۷-۱۴۸، تنوخی، الجزء الاول، ص ۲۰۴، یاقوت الحموی، جلد اول، ص ۳۹۹

الجہشیاری (ص ۱۸۰) نے اسی کو درب الصیارفہ کے نام سے ذکر کیا ہے۔

۵۶ تنوخی، الجزء الثانی، ص ۱۳۱ ۵۷ سفرنامہ، ص ۱۲۳

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عباسی دور میں انفرادی بنکاری کے خاص ارکان ناقد، جہبند و صراف تھے۔ یہ جمع رقوم فراہمی فنڈ اور سفتجہ کے ذریعہ ارسال زر وغیرہ جیسے امور انجام دیتے تھے جو آج بھی ترقی یافتہ صورت میں بنکنگ اعمال کا حصہ ہیں، انفرادی بنک کاری کے مختلف پہلوؤں سے عام مسافر، تاجر اور اہل ثروت فائدہ اٹھاتے تھے اور حکومت بھی اپنے کاموں کے لیے ان کی سروسز استعمال کرتی تھی، انفرادی بنک کاری کے جائزہ سے ایک دلچسپ پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ اس میں وسعت و ترقی اس دور میں رونما ہوئی جبکہ حکومت زوال کا شکار ہو رہی تھی، اس کی ظاہری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ زوال کے دور میں جب حکومت معاشی بدحالی سے دوچار ہوئی، آمد و خرچ میں توازن کے لیے مزید وسائل درکار ہوئے تو ان کی تکمیل کے لیے اور ہنگامی ضروریات کے وقت مالی فنڈ کی فراہمی کے لیے ان کی خدمات زیادہ سے زیادہ حاصل کی گئیں اور اس مقصد کے تحت انفرادی بنک کاروں کو سہولتیں بھی کافی فراہم کی گئیں ان اسباب سے ان کے بنکنگ مشاغل کا دائرہ کار وسیع ہوا اور دوسری جانب ان کی سرگرمیوں میں اضافہ کی وجہ سے تجارتی و کاروباری حلقہ میں بنکنگ اعمال کو اور رواج ملا یہاں تک کہ یہی آیندہ کے ترقی یافتہ بنکنگ نظام کی بنیاد بن گئے۔

مسلم پرسنل لاء اور اسلام کا عائلی نظام

(از: مولانا شمس تبریز خاں صاحب، رفیق، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

اپنے موضوع پر اردو میں پہلی مستقل کتاب جو اپنے مباحث و موضوعات کے تنوع اور مسلم پرسنل لاء کے مکمل و مدلل تعارف کے لئے امتیاز خاص رکھتی ہے جس میں مسلم پرسنل لاء کی شرعی حیثیت اور اس کے امتیازی پہلوؤں سے تفصیلی اور تحقیقی بحث کی گئی اور کتاب و سنت اور علوم عصریہ سے یکساں طور پر استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عورتوں سے متعلق اسلامی اور غیر اسلامی قوانین کا تقابلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ چند اہم عنوانات

(۱) مسلم پرسنل لاء کی شرعی حیثیت۔ (۲) مسلم پرسنل لاء کے امتیازی پہلو (۳) عورت غیر اسلامی تہذیب و شریعت میں (۴) اسلام میں عورت کا مقام (۵) اسلام کے عائلی نظام کی چند جھلکیاں وغیرہ

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم (سابق ناظم دار المصنفین) کے مقدمہ اور دو نئے ابواب کے اضافے کے ساتھ۔ دوسرا ایڈیشن

معیاری کتابت، آفسٹ طباعت قیمت مجلد سترہ روپئے صرف صفحات ۲۸۶

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ